اہلیت کے عوارض

قسط (۲)

ڈاکٹر عبدالکریم زیدان: ڈاکٹر احمد حسن

وضعی قوانین میں ضابطہ

وضعی (رائج الوقت ملکی) قوانین میں یہ ضابطہ مقرر ہے کہ تشہیرواشاعت کے جو طریقے سرکاری طور پر متعین ہیں، جیسے سرکاری گزٹ میں کسی قانون کی اشاعت، اس کا علم تمام لوگوں کے لیے ضروری ہے۔ایسے قانون سے ناواقفیت کو عذر تسلیم نہیں کیا جائے گا۔چنانچہ یہ ضابطہ ہے کہ قانون سے ناواقفیت کا عذر کرنا ناقابل قبول ہے۔دیوانی اور فوجداری قوانین میں یہ ضابطہ تسلیم شدہ ہے۔اس ضابطے کے مستثنیات بہت قلیل ہیں۔مثلاً مصر کے قانون تعزیرات میں ایک دفعہ یہ ہے کہ اگر کوئی سرکاری ملازم کسی ایسے فعل کا ارتکاب کرے جو اس کے فرائض میں داخل تھا اور وہ فعل قانون کے مخالف ہو اور وہ ملازم اس فعل کو قانوناً جائز سمجھتا ہو تو اس پر ملازم کو سزا نہیں دی جائے گی۔ا؎

اسی طرح فوجداری قانون کے ماہرین کا تقریباً اس پر اتفاق ہے کہ اگر کسی قانون سے واقفیت مشکل یا ناممکن ہو تو اس صورت میں یہ ناواقفیت عذر تسلیم کی جائے گی، جیسے اگر کوئی قانون کسی ملک میں جنگ کے دوران کسی شہر کے محاصرے کے زمانے میں نافذ ہو۔تاہم بعض حقائق سے ناواقفیت کا عذر کرنا درست ہے۔جیسے کوئی شخص جعلی نوٹ قانوناً درست سمجھ کر استعمال کرے تو اس کی یہ ناواقفیت عذر تسلیم کی جائے گی۔۲؎

دارالحرب (یا دارالکفر) میں اسلامی قانون سے ناواقفیت

عام قاعدہ کے مطابق فرض یہ کیا جاتا ہے کہ دارالحرب میں اسلامی احکام سے واقفیت نہیں ہوتی، کیونکہ

یہ شرعی احکام سے واقفیت کا نہیں بلکہ ان سے ناواقفیت کا مقام ہے۔اس قاعدے کی رو سے اگرکوئی شخص دارالحرب میں اسلام قبول کرلے اوراس کو یہ معلوم نہ ہوکہ اسلام لانے کے بعدنماز وغیرہ جیسی عبادات فرض ہیں اوروہ ان کوادا نہ کرے توان کی فرضیت کا علم ہونے کے بعداس پران کوقضا کے طور پرادا کرنا ضروری نہیں ہوگا۔اسی طرح اگرکوئی شخص شراب کی حرمت سے ناواقفیت کی بناپرشراب پی لے تواس پرنہ کوئی گناہ ہوگااورنہ اس کوسزا ملے گی۔اس کا سبب یہ ہے کہ مواخذہ اورمکلف ہونے کی ذمہ داری اس وقت ثابت ہوتے ہیں جب یاتوشارع کا خطاب حقیقتاً اس شخص کوپہنچ جائے یا یہ فرض کیاجائے کہ اپنے مقام پرمشہورہونے کی بناپروہ اس شخص کوپہنچ جائے گا‘لیکن دارالحرب ایسی جگہ نہیں ہے جہاں شرعی احکام کی عام شہرت ہوسکے اور ہرشخص ان سے واقف ہوجائے۔[۳]

دوم: خطا

خطا کا اطلاق اس چیز پرہوتا ہے جوصواب یعنی درست وصحیح کے مقابل ہو۔اس کا اطلاق اس شے پربھی ہوتا ہے جوعمد یعنی بالقصد کے مقابل ہو‘چنانچہ ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:ان اللہ وضع عن امتی الخطا‘والنسیان ‘وما استکرھوا علیہ[۴] (اللہ تعالی نے میری امت سے خطا‘نسیان اوراس چیزکوجس پران کومجبورکیاجائے نظرانداز کردیا ہے)۔اہلیت کے عوارض کی بحث کے سلسلے میں خطا کے یہی معنی مراد ہیں۔اس کی تعریف اس طرح کی جاسکتی ہے کہ خطا انسان سے کسی ایسے قول وفعل کے صدورکانام ہے جواس کے ارادے کے خلاف ہو۔یہ تعریف اہلیت کی دونوں قسموں کے منافی نہیں ہے‘ کیونکہ خطا کے ساتھ عقل قائم رہتی ہے۔لیکن حقوق اللہ کے ساقط ہونے کے لیے یہ قابل سماعت عذربن سکتی ہے‘جیسے مفتی کی خطایاجس شخص کوقبلہ کا علم نہ ہواوروہ اپنے اجتہاد سے قبلے کارخ معلوم کرے اوراس سے خطا ہوجائے۔اسی طرح شبہہ ہونے کی صورت میں بعض مقررسزائیں جواللہ تعالی کا حق ہیں ردکی جاسکتی ہیں‘جیسے حدود میں زنا کی سزا۔

حقوق العباد میں اگروہ حق کوئی سزا ہے‘جیسے قصاص تووہ خطا سے واجب نہیں ہوگا‘ کیونکہ قصاص کامل سزا ہے۔اس لیے جس شخص نے قتل خطا کیا ہے اس پر یہ واجب نہیں ہوگا کیونکہ وہ شرعاً معذور ہے۔قتل خطا کی صورت میں دیت لازم آتی ہے‘ کیونکہ یہ ہلاک شدہ شے کا بدل ہے۔عاقلہ (برادری) پرتین سال کے عرصے میں اس کی ادائیگی واجب ہوگی‘ کیونکہ خطا سے ان چیزوں میں تخفیف ہوجاتی ہے

☆ احتکار: لوگوں کی ضرورت کے وقت گرانی کی نیت سے غلہ کوروکنا احتکار کہلاتا ہے ☆

جو صلہ رحمی کے قبیل سے ہوں اور عاقلہ (برادری) پر دیت کا واجب ہونا صلہ رحمی سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لیے کہ دیت مال کے مقابل واجب نہیں ہوتی۔یعنی اگر کوئی شخص مال تلف کردے تو اس کے معاوضے میں دیت واجب نہیں ہوگی۔

بندوں کے مالی حقوق میں، جیسے کسی شخص نے دوسرے کا مال غلطی سے تلف کردیا تو ضمان یعنی اس کا معاوضہ واجب ہوگا۔یہاں خطا معاوضہ کے سقوط کے لیے عذر نہیں بن سکتی کیونکہ ضمان مال کا بدل ہے، کسی فعل کا بدلہ نہیں ہے۔اس لیے یہاں عصمت محل یعنی حفاظت مال کا اعتبار ہوگا اور کسی شخص کا اس مال کو غلطی سے تلف کرنا جو ایک عذر ہے، عصمت محل یعنی مال کی حفاظت کے منافی نہیں ہے۔

معاملات میں خطا قابل سماعت عذر نہیں سمجھی جاتی کہ وہ تصرف کے انعقاد اور اس پر مرتب ہونے والے اثر میں مانع ہے۔یہ بعض فقہا جیسے احناف کی رائے ہے۔اگر کسی شخص نے غلطی سے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو طلاق ہوجائے گی۔اسی طرح اگر کسی شخص نے غلطی سے کسی چیز کی خرید وفروخت کی تو یہ بیع منعقد ہوجائے گی کیونکہ اس کے پاس اصل اختیار موجود تھا، تاہم رضامندی نہ ہونے کے سبب یہ فاسد ہوگی۔

جمہور جیسے شافعی، جعفری اور دیگر علما کے نزدیک اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو غلطی سے طلاق دے دے تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔اسی طرح غلطی سے سرزد ہونے والے تمام قولی تصرفات کا اعتبار نہیں ہوگا۔۵؎ جمہور فقہاء کی دلیل یہ ہے کہ کلام کا اعتبار صحیح ارادے کے ساتھ ہوتا ہے لیکن جس شخص سے غلطی وخطا سے کوئی فعل سرزد ہوا ہے اس کے اس کلام میں جو اس نے کہا ہے کوئی قصد وارادہ نہیں ہوتا۔اس لیے اس کلام کا اعتبار نہیں۔اسی لیے سوئے ہوئے اور بے ہوش شخص کے اقوال ناقابل اعتبار ہیں کیونکہ ان میں قصد نہیں ہوتا۔اسی طرح جس شخص سے کوئی فعل خطا سرزد ہوتا ہے اس کا بھی اعتبار نہیں ہوگا۔اس قاعدے کو واضح الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ کلام میں کسی لفظ کا اعتبار اس لیے ہوتا ہے کہ وہ متکلم کے قصد وارادے کو بتلاتا ہے، کیونکہ اس لفظ کے خاص معنی ہوتے ہیں اور کوئی مقصد ہوتا ہے اور یہ مقصد کسی چیز کے وجوب کا سبب ہوتا ہے۔اگر یہ ارادہ ہی موجود نہ ہو تو وہ کلام لغو اور بے اثر ہوجائے گا۔۶؎ اس بات کی تائید مندرجہ ذیل احادیث سے بھی ہوتی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: رفع عن امتی الخطاو النسیان و مااستکرھوا علیه ۷؎ (میری امت سے خطا، بھول اور مجبوری میں کسی فعل کے کرنے کو نظر انداز کردیا گیا ہے) یعنی غلطی، بھول اور مجبوری

(اکراہ) سے جو فعل سرزد ہوگا اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

احناف کے نزدیک اگر غلطی سے کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو یہ واقع ہو جائے گی۔ وہ جمہور کو یہ جواب دیتے ہیں کہ خطا سے طلاق دینے والے شخص کا طلاق کا قصد نہ کرنا پوشیدہ امور میں سے ہے جن سے واقفیت ممکن نہیں، اس لیے عقل و بلوغ کو طلاق کے معاملے میں قصد و ارادے کے قائم مقام رکھا گیا ہے کیونکہ اگر کوئی چیز مخفی ہو اور اس کا علم ممکن نہ ہو تو ظاہری سبب کو اس کا قائم مقام بنایا جائے گا۔ ہاں اگر سبب ظاہر ہو تو دوسرا سبب اس کا قائم مقام نہیں بنایا جاسکتا۔ اس لیے سوئے ہوئے اور بے ہوش شخص کے قصد اور رضامندی کی جگہ عقل و بلوغ کو نہیں رکھا جاسکتا، کیونکہ ان دونوں حالتوں میں قصد و ارادہ اور رضامندی نہ ہونا ان امور میں سے ہے جو بلا کسی تنگی کے ظاہر اور معلوم ہوں۔ اس لیے کوئی دوسری چیز ان کی جگہ نہیں لے سکتی۔ ۸

ہماری رائے میں جمہور کا قول قابل ترجیح ہے، وہ یہ کہ نہ صرف طلاق بلکہ خطا سے سرزد ہونے والے کسی بھی قولی تصرف (عقد وغیرہ) کا اعتبار نہیں ہونا چاہئے، بشرطیکہ اس کی خطا ثابت ہو جائے۔

سوم: ھزل (مذاق)

ھزل سے مراد یہ ہے کہ ایک چیز کو جس مقصد کے لیے وضع کیا گیا ہے اس سے وہ مراد نہ لی جائے۔ ۹ ہر کلام عقلاً اپنے حقیقی یا مجازی معنی بتلانے کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ اسی طرح شرع میں ہر قولی تصرف اپنے حکم کو بتانے کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ اس لیے جب کلام سے اس کے عقلی موضوع (مقصد) کے خلاف اور جب تصرف قولی سے اس کے شرعی موضوع کے خلاف مراد لی جائے یعنی ان کے حکم سے کوئی فائدہ نہ پہنچے تو اس کو ہزل کہتے ہیں۔ ھزل یا مذاق کرنے والا شخص اپنے اختیار سے بات کرتا ہے اور وہ اس کے معنی کو سمجھتا ہے لیکن اس کا مقصود وہ شے نہیں ہوتی جس کے بارے میں وہ بات کر رہا ہے۔ وہ اپنی رضامندی اور اختیار سے معاہدے اور لین دین کرتا ہے لیکن ان سے جو نتیجہ واثر مرتب ہوتا ہے وہ اس کا مقصود نہیں ہوتے، نہ اس مقصد کے لیے وہ ان کو اختیار کرتا ہے اور نہ ہی ان کے مواقع ہونے سے وہ راضی ہوتا ہے۔

ھزل (مذاق) نہ اہلیت وجوب کے منافی ہے اور نہ اہلیت ادا کے، لیکن یہ ہزل کرنے والے کی نسبت سے بعض احکام پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اس بارے میں خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایسے قولی تصرفات (لین

دین سے متعلق معاہدے اور اقوال) جو ہزل سے ملے ہوئے ہوں ان کی تین قسمیں ہیں: اخبارات' اعتقادات اور انشاءات۔ ہر ایک کا حکم الگ الگ ہے۔

اخبارات:

وہ معاملات جن کا تعلق خبر سے ہو' اقرار کے معاملات ہیں۔ خبر کا موضوع کچھ بھی ہو ہزل اقرار کو باطل کر دیتا ہے' کیونکہ اقرار کی صحت کا دارومدار اس شے کی صحت پر ہے جس کی خبر دی گئی ہے اور ہزل اپنے کیے ہوئے اقرار کے جھوٹ ہونے پر کھلی دلیل ہے۔ اس لیے ہزل کرنے والے شخص کے اقرار کا اعتبار نہیں ہوگا۔ جس شخص نے ہزل یعنی مذاق میں کوئی چیز خریدنے بیچنے' نکاح کرنے یا طلاق دینے کا اقرار کیا تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا اور اس کے اقرار سے کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا' چاہے ہزل کرنے والا اس کی اجازت دے دے۔ کیونکہ اجازت کا الحاق اس چیز کے ساتھ ہوتا ہے جس کا انعقاد ہو چکا ہو اور جس کے صحیح و باطل ہونے کا احتمال ہو۔ لیکن جس چیز کا سرے سے انعقاد ہی نہ ہو اس کے ساتھ اجازت کا الحاق نہیں ہوسکتا۔ یہ اسی طرح ہے جیسے اجازت جھوٹ کو سچ نہیں بنا سکتی۔

اعتقادات:

اس سے مراد وہ اقوال ہیں جو انسان کے عقیدے کو بتلائیں۔ ہزل ایسے اقوال کے اثرات کو مرتب ہونے سے نہیں روکتا۔ چنانچہ اگر کوئی مسلمان مذاق میں اپنی زبان سے کلمہ کفر کہہ دے تو وہ مرتد ہو جائے گا اور اس کو اسلام سے خارج سمجھا جائے گا۔ اگرچہ مذاق سے کلمہ کفر کہنے والے کا مقصد ارتداد نہیں تھا اور نہ ہی اس کی یہ مراد تھی لیکن اس پر مرتد کا حکم ہی لگایا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مذاق سے کلمہ کفر کہنے میں بھی اسلام کا استخفاف ہے اور اسلام کا استخفاف (ہلکا سمجھنا۔ مذاق اڑانا) کفر ہے۔ اس لیے مذاق سے کلمہ کفر کہنے والا چاہے اس کا ارادہ نہ رکھتا ہو محض نفس مذاق کی بنا پر مرتد ہو جائے گا۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: {ولئن سالتهم ليقولن انما كنا نخوض ونلعب قل اباالله و آياته ورسوله كنتم تستهزؤن' لاتعتذروا قد كفرتم بعد ايمانكم} (التوبۃ۹:۶۵) (آپ ان سے جواب طلب کریں تو یہ کہہ دیں گے کہ ہم تو یونہی بات چیت اور خوش طبعی کر رہے تھے۔ آپ فرما دیجیے کہ کیا اللہ کے ساتھ اور اس کی آیات اور اس کے رسول کے ساتھ مذاق کر رہے تھے۔ اب تم فضول عذر نہ کرو' تم

نے یقیناً اپنے ایمان کوظاہر کرنے کے بعد کفر کیا ہے)۔ارتداد کی صورت میں بہت سے دنیوی احکام بھی مرتب ہوتے ہیں، مثلاً میاں بیوی کے درمیان علیحدگی ہوجاتی ہے۔اسی طرح اور بہت سے احکام ہیں جوفقہ کی کتابوں میں تفصیل سے دیکھے جاسکتے ہیں۔

انشاءات:

انشاء سے مراد ایسے اسباب کا وجود میں لانا ہے جن کے نتیجے میں وہ شرعی احکام مرتب ہوں جوان کے لیے مقرر ہیں، جیسے خرید وفروخت، اجارہ اور دیگر معاہدے اور تصرفات (لین دین)۔اس کی دوقسمیں ہیں:

پہلی قسم: یہ وہ اسباب ہیں جن کے اثر یا احکام کو ہزل باطل نہیں کرتا، جیسے نکاح، طلاق اور رجعت، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ثلاث جدھن جد، وھزلھن جد: النکاح، والطلاق، والرجعة ١٠۔ (تین چیزیں ایسی ہیں جن کا اعتبار سنجیدگی وہزل دونوں حالتوں میں ہوگا۔ نکاح، طلاق اور رجعت)۔اس قسم میں وہ جملہ تصرفات بھی شامل ہیں جن میں فسخ کا احتمال نہیں۔یعنی مذاق میں نکاح، طلاق اور رجعت واقع ہوجائیں گے اور ہزل کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا اور ان کے وقوع کو شرعی طور پر صحیح سمجھا جائے گا۔

دوسری قسم: اس قسم میں وہ اسباب داخل ہیں جن کے اثرات یا احکام پر ہزل اثر انداز ہوتا ہے اور ان کو فاسد یا باطل کر دیتا ہے۔جیسے بیع، اجارہ اور وہ سارے تصرفات جن میں فسخ کا احتمال ہو۔یعنی مذاق میں خرید وفروخت اور اجارہ شرعاً درست نہیں ہوں گے ١١۔ان کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں موجود ہے۔بعض فقہا کی رائے یہ ہے کہ ہزل کے ہوتے ہوئے اس نوع کے تصرفات درست سمجھے جائیں گے اور انہیں نکاح، طلاق اور رجعت پر قیاس کیا جائے گا جو ہزل سے باطل نہیں ہوتے۔لیکن جو لوگ ان دوقسموں کے درمیان فرق کرتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ حدیث سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوجاتی ہے کہ بعض معاملات تو ایسے ہیں جن میں سنجیدگی ومذاق دونوں حالتوں کا حکم یکساں ہے اور اگر تمام معاملات کا حکم یکساں ہوتا تو حدیث میں اس بات کی صراحت ہوتی کہ مذاق سے بات کرنے والے کے تمام معاہدے اور معاملات کا حکم خواہ سنجیدگی میں ہو یا مذاق میں ایک ہی ہے۔

عقلی اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ نکاح اور اس جیسے معاہدے اللہ تعالیٰ کا حق ہیں اور جن معاملات کی یہ صورت ہو تو کسی شخص کو ان میں مذاق کا حق حاصل نہیں ہے۔جب کوئی شخص اپنے فعل سے ایسا سبب پیدا کرے جس کا حکم ثابت ہورہا ہو، چاہے اس سے اس کا مقصد حقیقی نہ ہو تو وہ حکم

☆ بیع بالقاء الحجر: بائع یا مشتری کہے اگر میں نے مبیع پر پتھر پھینک دیا تو ہم میں (ہمارے درمیان) بیع ہوگی۔☆

ثابت ہوجائے گا مثلاً کوئی شخص کلمہ کفر کہے' کیونکہ انسان کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ اپنے رب کے ساتھ مذاق کرے اوراس کی آیات سے استہزا کرے۔اس کے برخلاف مالی تصرفات بندوں کے حقوق ہیں اس لیے وہ ہزل سے فاسد ہوجاتے ہیں۔ان کا حکم اس لیے ثابت نہیں ہوتا کہ ہزل کرنے والے کی رضامندی اس میں شامل نہیں ہوتی۔انسان کبھی دوسرے شخص کے ساتھ بھی مذاق کرتا ہے۔لیکن اس کی رضامندی کے بغیر اس کے حق کے بارے میں کوئی حکم ثابت نہیں ہوسکتا۔ ۱۲؎

چہارم : سفاہت

تمہید:

لغت میں سفاہت کے معنی بے وقوفی (خفت عقل) ہلکے پن کے ہیں۔فقہا کی اصطلاح میں سفاہت مال میں اس تصرف کو کہتے ہیں جو عقل کے ہوتے ہوئے' شرع وعقل کے تقاضوں کے خلاف ہو۔ ۱۳؎

سفاہت کو اکتسابی عوارض میں اس لیے شمار کیا جاتا ہے کہ کم عقل اور بے وقوف آدمی اختیار اور رضامندی سے عقل کے تقاضے کے خلاف کام کرتا ہے۔ ۱۴؎ سفاہت اہلیت کے منافی نہیں ہے کیونکہ ایک کم عقل شخص کامل اہلیت رکھتا ہے اور تمام شرعی تکلیفات کا پابند ہوتا ہے' تاہم سفاہت بعض احکام میں اثرانداز ہوتی ہے۔یہ اثر اس طرح ظاہر ہوتا ہے کہ بچہ اگر بالغ ہو لیکن سفیہ یا کم عقل ہو تو اس کو مال میں تصرف کی اجازت نہیں ہوگی' اسی طرح اگر ایک بالغ شخص کم عقل ہو تو سفاہت کے سبب اس پر بھی مال میں تصرف کرنے پر پابندی ہوگی۔اس لیے ہم مختصر طور پر ان دونوں مسئلوں اور ان کے متعلقہ احکام کے بارے میں گفتگو کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔اس کے بعد مصری وعراقی قوانین کے بارے میں بحث کریں گے۔

پہلا مسئلہ: جو بچہ بالغ ہوجائے لیکن کم عقل ہو اس کو مال سپرد کرنا:

سوائے اہل ظاہر کے تمام فقہا کا اس پر اتفاق ہے کہ جب بچہ بالغ ہوجائے لیکن کم عقل ہو تو اس کو مال سپرد نہیں کیا جائے گا۔اس بارے میں قرآن مجید میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:{**ولا تؤتوا السفھاء اموالکم التی جعل اللہ لکم قیاما**} (النساء ۴:۵)(اے سرپرستو! تم اپنے وہ مال جن کو اللہ تعالی نے تم سب لوگوں کے گزارے کا سبب بنایا ہے ناسمجھ یتیموں کے سپرد نہ کردو)۔بلکہ اسے مال بالغ ہونے کے بعد اس وقت سپرد کیا جائے گا جب یہ معلوم ہوجائے کہ اس میں رشد یعنی سمجھ بوجھ موجود ہے۔اللہ

تعالیٰ کا ارشاد ہے:{وابتلوا الیتامی حتی اذا بلغوا النکاح فان آنستم منهم رشدا فادفعوا الیهم اموالهم}(النساء ۴:۶)(یتیموں کی عقل وشعور کا جائزہ لیتے رہا کرو یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں پھر اگر تم ان میں ہوشیاری وتمیز دیکھو تو ان کے مال ان کے سپرد کر دو)۔

اس آیت کی رو سے کسی شخص کو مال سپرد کرنے کے لیے اس کا بالغ ہونا اور اس میں رشد یا سمجھ بوجھ کا موجود ہونا شرط ہے۔اہل ظاہر کہتے ہیں کہ بچہ جب عاقل وبالغ ہوجائے تو اس کے مال سپرد کیا جاسکتا ہے ان کے نزدیک رشد سے مراد اس حالت میں بالغ ہونا ہے کہ اس میں عقل بھی ہو اور سفاہت سے مراد عدم عقل ہے خفت عقل نہیں۔چنانچہ جو شخص بالغ ہو اور اس میں عقل بھی ہو تو ان کے نزدیک اس میں رشد بھی موجود ہوگی اور اس کو مال سپرد کرنا واجب ہے۔۱۵؎

جمہور کے نزدیک رشد کی تعریف یہ ہے:الصلاح فی العقل والقدرة علی حفظ المال ۱۶؎(رشد سے مراد عقل میں درستگی اور مال کی حفاظت پر قدرت ہونا ہے)۔اس تعریف سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ہر عاقل شخص میں رشد نہیں ہوتی،لیکن ہر اس شخص میں جس میں رشد موجود ہو عقل ہوتی ہے۔

فقہائے جعفریہ کے نزدیک رشد کی تعریف یہ ہے:الرشد هو البالغ والعاقل المصلح لماله والعدل فی دینه ۱۷؎(رشد اس شخص میں ہوگی جو عاقل ہو بالغ ہو اپنے مال کو درست رکھے اور دین میں دیانت دار اور عادل ہو)۔ان کے نزدیک صرف مال کی حفاظت پر قدرت رکھنے سے ہی رشد حاصل نہیں ہوگی بلکہ دین میں عادل ہونا بھی شرط ہے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس پر ان کے تمام فقہا کا اتفاق نہیں ہے ان کے بعض متاخر مجتہدین نے یہ کہا ہے کہ رشد رکھنے والا وہ شخص ہے جو اپنے مال کو درست رکھ سکتا ہو اور دین میں عدالت کی کوئی شرط نہیں۔۱۸؎

رشد سے کیا مقصود ہے؟

لیکن کیا رشد سے حقیقت میں رشد کا موجود ہونا مراد ہے یا ایسے اسباب کا پایا جانا کافی ہے جن سے رشد کی موجودگی کا گمان غالب ہو یعنی رشد کا مظنہ کافی ہے؟اس بارے میں فقہا کے دو قول ہیں:

پہلا قول: رشد سے مراد اس کی حقیقت ہے۔اس لیے اس کا حقیقی وجود اور اس کی پہچان ضروری ہے اس کی جگہ کوئی دوسری چیز جیسے بلوغ کی ایک متعین عمر تک پہنچنا اس کے قائم مقام نہیں ہوسکتی۔اس نظریے کی بنا پر بلوغ کے بعد بھی ایک بالغ لڑکے کو اس وقت تک مال سپرد نہیں کیا جائے گا جب تک

اس میں رشد یعنی پختہ فہم اور معاملات کی سمجھ بوجھ نہ ہو چاہے اس کی عمر کے کتنے ہی سال گزر جائیں اور وہ بوڑھا ہو جائے۔ یہ قول شافعیہ، مالکیہ، حنابلہ، جعفریہ اور جمہور فقہا کا ہے اور یہی رائے امام ابوحنیفہؒ کے دونوں شاگردوں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی ہے۔ ۱۹

اس نظریے کی تائید میں پہلی دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ قرآن مجید کی متعلقہ آیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بچے کو مال سپرد کرنا اس میں رشد، پختگی عقل کے پہچاننے کے ساتھ مشروط ہے۔ اس لیے جب تک سمجھ بوجھ اس میں موجود نہ ہوگی اسے مال سپرد نہیں کیا جائے گا، کیونکہ مشروط کلام میں شرط کے باوجود سے پہلے مشروط یعنی جس چیز کی شرط لگائی ہے معدوم ہوتا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ سفاہت مال سپرد کرنے کی راہ میں رکاوٹ ہیں، چاہے ایک بالغ آدمی کی عمر پچیس سال یا اس سے بھی زیادہ ہو جائے۔ جیسے یہ دونوں اس عمر سے قبل مانع سمجھے جاتے ہیں اس کے بعد بھی مانع رہیں گے جب تک کہ رشد حقیقت میں موجود نہ ہو اور یہی حکم سفاہت کا بھی ہے۔ ۲۰

دوسرا قول: یہ قول امام ابوحنیفہؒ کا ہے۔ ان کے نزدیک پچیس سال کی عمر سے پہلے رشد سے مراد اس کا حقیقی وجود ہے۔ اس عمر کو پہنچنے کے بعد اس کے وہ اسباب مراد ہیں جن سے رشد اور پختگی عقل کا گمان غالب ہو۔ جو بچہ بالغ ہو جائے اور اس میں رشد اور پختہ فہم موجود ہو تو اس کو مال سپرد کر دیا جائے گا اگرچہ اس کی عمر پچیس سال کی نہ ہو۔ اگر وہ بالغ ہو جائے لیکن اس میں پختگی عقل کے آثار موجود نہ ہوں یا کسی طرح بھی اس میں پختہ عقل وفہم کا پتا نہ چلے تو اس کا پچیس سال کی عمر تک انتظار کیا جائے گا۔ اس عمر کو پہنچنے کے بعد اس کو پختہ فہم والا شخص تصور کیا جائے گا اور مال اس کے سپرد کر دیا جائے گا خواہ اس میں پختہ عقل وفہم ہو یا نہ ہو، کیونکہ یہ عمر ایسی ہے جس میں پختگی عقل وفہم عام طور پر اکثر اشخاص میں پائی جاتی ہے اور اس عمر میں رشد وفہم کے پائے جانے کا گمان غالب ہوتا ہے اور یہ شاذ و نادر ہی ہوتا ہے کہ اس عمر میں بھی انسان میں پختگی عقل نہ آئے۔ شرعی احکام کی اساس غالب و اکثر حالات پر ہے، نہ کہ قلیل و نادر پر۔ ۲۱

امام ابوحنیفہؒ نے اپنی رائے کی تائید میں متعدد دلائل پیش کیے ہیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں:

الف۔ جو بچہ اس حالت میں بالغ ہو کہ ابھی اس کی عقل پختہ نہ ہوئی ہو، اس کو مال اس لیے سپرد نہیں کیا جاتا کہ انسان سے سفاہت، بلوغ کے ابتدائی مراحل میں فوراً نہیں چلی جاتی، لیکن جب

☆خیار شرط: کسی چیز کو خریدتے وقت لینے یا نہ لینے کا اختیار رکھنا☆

ایک طویل عرصہ گزر جاتا ہے اور وہ شخص پچیس سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو وہ تجربے کے راستے سے رشد اور پختگی عقل حاصل کرتا ہے کیونکہ تجربات عقل کے دروازے کھولتے ہیں' ذہن کو تیز کرتے ہیں اور انسان کو بینائی وبصیرت دیتے ہیں۔اس رشد وفہم سے جو تجربات کے راستے سے حاصل ہوتی ہے' اس شخص کو مال سپرد کرنے کی شرط پوری ہو جاتی ہے کیونکہ ایک بالغ شخص کو مال سپرد کرنے کے لیے رشد اور پختہ عقل اولین شرط ہے اور آیت کریمہ میں اس کو نکرہ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس کا اطلاق تھوڑی بہت رشد وفہم پر بھی ہوتا ہے' یعنی اس بالغ شخص میں مکمل رشد ہونا ضروری نہیں۔ادنی رشد وفہم بھی مال کو سپرد کرنے کے لیے کافی ہے۔

ب۔ایسے بالغ وعاقل شخص کو جس میں رشد اور پختگی عقل موجود نہ ہو' مال ادب سکھانے کی غرض سے سپرد نہیں کیا جاتا یا اس کی وجہ فعل حرام کے ارتکاب یعنی اسراف پر سزا ہے یا ایسا حکم جو نص سے تو ثابت ہے لیکن اس کی علت نا قابل فہم ہے یعنی غیر معقول المعنی ہے۔اگر یہ پابندی محض تادیب کی غرض سے ہو تو تادیب کا فائدہ اس وقت ہوتا ہے جب یہ معلوم ہو کہ اس سے آئندہ نفع کی امید ہے' لیکن جب امید ہی منقطع ہو جائے اور انسان پچیس برس کا ہو جائے پھر بھی اس میں پختگی عقل وفہم کے آثار موجود نہ ہوں تو اب مسلسل اس مال کی پابندی لگانے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔اس صورت میں یہ پابندی ایک عبث اور بے فائدہ فعل ہو گی۔

اگر یہ سزا کے طور پر ہے تو سزا شبہہ سے ساقط ہو جاتی ہے اور شبہہ اس میں موجود ہے کیونکہ جیسا کہ ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ انسان جب پچیس برس کا ہو جاتا ہے تو کچھ نہ کچھ اس میں رشد پختگی عقل ضرور موجود ہوتی ہے۔اس لیے اسی حالت میں اس کو مال سپرد کر دینا چاہیے' کیونکہ جب مانع یعنی پابندی کا سبب ہی باقی نہ رہا تو جس چیز پر پابندی لگائی گئی تھی تو وہ واپس لوٹ آئے گی۔

اگر یہ ممانعت ایسی نص سے ثابت ہے جس کی علت نا قابل فہم ہے تو اس صورت میں بھی یہ ممانعت ساقط ہو جاتی ہے' کیونکہ مال سپرد کرنے کے لیے رشد کا وجود شرط ہے اور یہ شرط عمر کے پچیس سال مکمل ہونے کے بعد پوری ہو جاتی ہے' جیسا کہ ہم پہلے پیراگراف میں بتا چکے ہیں۔

راجح قول

امام ابو حنیفہؒ کے قوی دلائل کو ہم بصد ادب تسلیم کرتے ہیں۔اس کے باوجود ہمارا خیال یہ ہے کہ آیت

کے ظاہری معنی اس قول کا ساتھ نہیں دیتے کیونکہ آیت میں مال کی سپردگی کو رشد و پختگی عقل کے ساتھ معلق یا مشروط کیا گیا ہے ایک خاص عمر تک پہنچنے کے ساتھ نہیں' اور اگر اس میں عمر کو رشد کے قائم مقام بنانے کی بھی گنجائش ہو تب بھی ان پر یہ اعتراض ہوگا کہ یہ عمر آخر پچیس سے زیادہ یا کم کیوں نہیں رکھی جاسکتی؟ اس بنا پر ہمارا رجحان اسی طرف ہے کہ جمہور کا قول قابل ترجیح ہے۔

دوسرا مسئلہ: ایسے عاقل و بالغ شخص پر جس کی عقل ابھی تک پختہ نہ ہوئی ہو (سفیہ) لین دین کی پابندی عائد کرنا:

فقہا کے درمیان اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ سفاہت لین دین پر پابندی کا سبب ہے یا نہیں۔ خواہ یہ سفاہت پیدائشی ہو کہ انسان جب بالغ ہوا اس وقت سے ہی پختگی و عقل سے محروم ہو' یا بعد میں لاحق ہوئی ہو یعنی بالغ ہونے کے بعد تو اس میں رشد و فہم موجود ہو لیکن بعد میں یہ کسی سبب سے زائل ہوگئی ہو اور وہ شخص سفاہت کا شکار ہوگیا ہو۔ فقہا کے درمیان یہ اختلاف دو نقطہ ہائے نظر کی صورت میں پیش کیا جاسکتا ہے۔

پہلا قول: یہ جمہور کا قول ہے' یعنی شافعیہ' مالکیہ' حنابلہ' جعفریہ اور صاحبین کی رائے یہ ہے کہ سفیہ یعنی جس شخص کی عقل میں پختگی نہ ہو اس پر لین دین اور معاملات کے معاہدے کرنے کی ممانعت ہوگی' کیونکہ سفاہت اس ممانعت کا سبب ہے اور جب سفاہت ہوگی تو ممانعت بھی ہوگی۔ ۲۲۔

دوسرا قول: سفاہت کے سبب لین دین کرنے کی ممانعت نہیں ہوگی۔ یہ ابوحنیفہؒ اور اہل ظاہر کی رائے ہے۔ ۲۳۔

۱۱۹۔ جمہور کے دلائل

جمہور نے سفیہ پر لین دین و معاملات کی ممانعت کی تائید میں مندرجہ ذیل دلائل پیش کیے ہیں:

الف۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **{فان کان الذی علیه الحق سفیها او ضعیفا او لا یستطیع ان یمل هو فلیملل ولیه بالعدل}** (البقرۃ ۲:۲۸۲)) پھر اگر وہ مدیون کم عقل یا کمزور ہو یا دستاویز کا مضمون بتانے اور لکھوانے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو اس مدیون کا مختار کار انصاف کے ساتھ لکھوا دے)۔

ب۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت عثمان بن عفانؓ سے یہ مطالبہ کیا کہ عبداللہ بن جعفر کو مال کے لین دین سے منع کیا جائے کیونکہ وہ مال میں اسراف کرتے ہیں۔ اگر ناپختہ عقل والے شخص پر لین دین کرنے کی ممانعت جائز نہ ہوتی تو حضرت علیؓ اس کا مطالبہ نہ فرماتے۔

ج۔نابالغ بچے کو معاملات کرنے سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ وہ مال میں فضول خرچی نہ کرے اور یہ علت سفیہ میں بھی موجود ہے اس لیے اس پر پابندی بدرجہ اولی ہونی چاہیے۔

د۔ایک ناپختہ عقل والا شخص (سفیہ) مالی معاملات بہتر طریقے سے انجام نہیں دے سکتا۔اسے ایسے شخص کی ضرورت ہوتی ہے جو معاملات میں اس کی نگرانی کرے اور اس پر اس کے مال کی حفاظت کرے اور یہ مقصد مالی معاملات کی ممانعت کے بعد ہی حاصل ہوسکتا ہے جیسے کہ بچے کا مالی معاملات کے بارے میں حکم ہے۔اس پر یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ ایک کم عقل شخص مال کا اسراف کرکے گناہ گار ہوتا ہے اس لیے وہ نگرانی کا مستحق نہیں ہے۔کیونکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ معصیت اس کو اس کی طرف توجہ دینے اور اس کے مصالح کی رعایت کرنے سے خارج نہیں کردیتی۔کیا یہ نہیں دیکھتے کہ عمداً قتل کرنے والے شخص کا جرم اس کی طرف توجہ کے حق سے محروم نہیں کرتا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کو معاف کیا جاسکتا ہے۔اس لیے کم عقل والا شخص اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کی طرف توجہ کی جائے اور اس کی مصلحت کا خیال کیا جائے۔

ھ۔ایک کم عقل شخص کو لین دین کی ممانعت کرنے سے پوری جماعت نقصان سے بچ جاتی ہے کیونکہ اس کا مال محفوظ رہتا ہے۔اس صورت میں وہ دوسروں کا دست نگر نہیں ہوتا اور بیت المال کو اس کے اخراجات برداشت کرنے نہیں پڑتے۔اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ جماعت کو نقصان سے بچانے کے لیے ایک شخص پر پابندی لگانا ایک ضروری امر ہے۔اسی لیے کم علم مفتی اور جاہل طبیب پر پابندی لگائی جاتی ہے۔اسی طرح ایک کم عقل شخص پر بھی جماعت کو نقصان سے بچانے کے لیے پابندی لگائی جاسکتی ہے۔(جاری ہے)

حواشی

۱۔دفعہ ۶۳، نمبر ۵۸ مجریہ ۱۹۳۰ء

۲۔ڈاکٹر مصطفی کامل، شرح قانون العقوبات العراقی۔القسم العام ص ۱۹۵۔۱۹۶

۳۔التلویح ۲: ۱۸۴۔۱۸۵

۴۔سنن ابن ماجۃ، کتاب الطلاق، باب طلاق المکرہ والناسی

۵۔خسرو، شرح مرقاۃ الوصول ۲: ۴۶۰

۶۔محسن الحکیم، منہاج الصالحین ۲: ۱۸۲، طوسی، الخلاف ۲: ۶۴۶، ابن حجر، تحفۃ المحتاج ۳: ۳۶۶، عزالدین بن

عبدالسلام، قواعدالاحکام

۷۔ سبل السلام ۳: ۲۳۷ | ۸۔ التلویح ۲: ۱۹۵

۹۔ کشف الاسرار ۴: ۱۴۷۷ | ۱۰۔ سنن ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب فی الطلاق علی الھزل

۱۱۔ ابن نجیم، الاشباہ والنظائر ۱: ۳۵ | ۱۲۔ اعلام الموقعین ۳: ۱۱۱۔۱۰۹، المدونۃ الکبری ۲: ۱۶۱

۱۳۔ شرح المنار، ص ۹۸۸ | ۱۴۔ شرح مرقاۃ الوصول ۲: ۴۵۸

۱۵۔ ابن حزم، المحلی ۸: ۲۶۸۔۲۸۷ | ۱۶۔ التلویح ۲: ۱۹۱

۱۷۔ طوسی، الخلاف ۲: ۱۲۱ | ۱۸۔ سید محسن الحکیم، منهاج الصالحین ۲: ۱۱۲

۱۹۔ المغنی ۴: ۴۵۷، الخلاف ۲: ۱۲۱، منهاج الصالحین ۲: ۱۱۳

۲۰۔ بخاری، عبدالعزیز، کشف الاسرار ۴: ۱۴۹۔ ہم نے ۲۵ سال کا اس لیے ذکر کیا کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر ایک شخص کی عمر ۲۵ سال ہوجائے تو اس کے مال سپرد کردیا جائے گا چاہے اس میں رشد و پختگی عقل موجود نہ ہو۔

۲۱۔ کشف الاسرار شرح اصول البزودی ۴: ۱۴۹۰۔۱۴۹۱

۲۲۔ المغنی ۴: ۴۵۸، اصول البزودی مع شرح کشف الاسرار ۴: ۱۴۹۲

۲۳۔ جصاص، احکام القرآن ۱: ۴۸۹، ابن حزم، المحلی ص ۲۸۸، التلویح ۲: ۹۲۔ یہ بات قابل لحاظ ہے کہ اگرچہ امام ابوحنیفہؒ نے سفیہ کو پچیس سال کی عمر تک پہنچنے تک مال سپرد کرنے کی ممانعت کی ہے، لیکن انہوں نے اس کی طرف سے عقد کرنے پر کوئی پابندی عائد نہیں کی۔ اس لیے مال میں اس کے تصرفات نافذ سمجھے جائیں گے۔

اردو نعتیه ادب کے انتقادی سرمائے کا تحقیقی مطالعہ

ڈاکٹر عبدالعزیز خان (عزیز احسن) صاحب کا

ایک تحقیقی مقالہ

علماء و مشائخ، نعت گو شعراء، ثناخوان مصطفی، محافل نعت کے منتظمین اور نقیبان محافل، کے لئے جس کا مطالعہ انتہائی اہم اور مفید ہے۔

شائع کردہ: نعت ریسرچ سینٹر B-396 بلاک ۱۴ گلستان جوہر کراچی